"ہمیں چراغ ہمیں پروانے" قرۃ العین حیدر کا تخلیقی ترجمہ

حفصہ ثانیہ

Abstract

Translation is a bridge between two cultures and sometimes between two worlds. In a civilized society knowledge of two or more languages is appreciated and centers of translation become torch bearer of thought and a motivation of social change. This process was accelerated during preaching of religion and extending boundaries of an empire by certain rulers with a mindset of imperialism. In literature creative translation has its own merit. In Urdu, Quratul Ain Hyder (1927-2007) is the best example of her favorite novel 'Portrait of a Lady ' by Henry James. In this paper the scholar has elucidated the merit of this novel in technique and treatment as well as the compatibility of these two novelists.

دنیا بھر میں ترسیل علم کا ذریعہ ترجمہ رہا ہے۔ عراق، مصر، چین، ہندوستان، یونان ہر ترقی یافتہ تہذیب نے ایک سے زیادہ زبانیں جاننے والے لوگوں کو اہمیت دی، حتیٰ کہ جنگوں کے مالِ غنیمت یونی قیدیوں اور غلاموں میں بھی دوسری زبان سکھانے والوں سے استفادہ کیا گیا، تاریخِ مسلماناں پر نظر ڈالی جائے تو عباسیوں کا قائم کیا گیا دارلترجمہ نظر آتا ہے جس میں ڈھائی ہزار سال قبل مسیح بولی جانے یونانی اور لاطینی علمی زبانوں کے تراجم، علمِ ریاضی اور کیمسٹری کے اصول و تراکیب کے تراجم کر کے عربی زبان کا دامن وسیع کیا گیا۔ اسی طرح برصغیر میں بھی انگریز دورِ حکومت میں کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج (۱۸۰۰) کی بنیاد رکھی گئی جس میں اردو فارسی زبان کے منتخب عالموں کو اکٹھا کر کے ان سے بہت سی دوسری زبانوں کی کتب اور خصوصاً انگریزی کتب کے وسیع سطح پر اردو تراجم کئے گئے جس سے اردو زبان کا دامن مزید وسیع ہوا۔ اردو کی رومانوی تحریک ایک اعتبار سے تراجم کی مرہونِ منت ہے۔ ایک غلام معاشرے میں بہت سی مذہبی، سماجی، اور سیاسی جکڑ بندیوں میں گرفتار قلم کو آزادی مل سکتی تھی جب وہ اپنا رشتہ یونانی، مصری

اور ہندی دیو مالائی کہانیوں سے جوڑتا یا دور دراز ملکوں کے لوک قصوں یا ابتدائی ناولوں سے قائم کرتا۔یہی وجہ ہے کہ عنایت اللہ دہلوی(۱۸۳۲ء۔۔۱۹۱۰ء)،سید عابد علی عابد(۱۹۰۶ء۔۔۱۹۷۱ء)، عبدالحلیم شرر(۱۹۶۰ء۔۔۱۹۶۲ء)،سجاد حیدر یلدرم (۱۸۸۰ء۔۔۱۹۴۳ء)،نیاز فتح پوری(۱۸۸۴ء۔۔۱۹۶۲ء)،سلطان حیدر جوش (۱۸۸۶ء۔۔۱۹۴۶ء)نے کچھ تصرفات کے ساتھ ترجمے کیے مگر ان میں سے چند ترجمے اب بھی اردو کے تربیت یافتہ قارئین کی یادداشت میں زندہ ہیں تاہم اردو میں عامیانہ طرز کی قصہ گوئی بھی اسی راستے سے آئی۔خالد محمود خان نے اپنی تصنیف فنِ ترجمہ نگاری،تاریخ ترجمہ میں لکھا ہے،

"کوئی شک نہیں کہ انگریز علمِ ترجمہ کے ذریعے ہندوستان میں اپنی ابلاغی صلاحیت کو ترقی دینا چاہتے تھے تاکہ تجارت سیاسی اور جنگی مقاصد کو زیادہ سے زیادہ حاصل کیا جائے،وہ اس میں حسبِ دل خواہ کامیاب بھی رہے۔اس عمل کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ وہ ہندوستان کے عوام کے لیے تراجم کے ذریعے جدید علوم کو متعارف کروانا چاہتے تھے۔"(۰۱)

تراجم کی تاریخ کو چار ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے،

۰۱: تاریک ادوار ۰۲: ازمنہ ءوسطیٰ۰۳ : نشاۃثانیہ ۰۴: عہد جدید

دنیائے ادب میں مترجم ایسا ترجمہ کرتے کہ اسکا ترجمہ اصل سے ملتا جلتا ہی ہوتا جس طرح مصور تصویر بناتے ہوئے اس کو اسکی اصل سے ملاتا ہے.اگرچہ ٹی ایس ایلیٹ نے انتباہ کیا تھا کہ خیال کا ترجمہ ہو سکتا ہے،مگر احساس کا نہیں۔ تاہم یہ اعزاز تخلیق کاروں کے حصے میں آیا کہ انہوں نے جب کچھ شاہکار ناول اردو میں ترجمے کے لیے منتخب کئے تو یوں محسوس ہوا کہ وہ زبان کی رکاوٹ کو پھلانگ کر تخلیق کار کی روح تک پہنچے اور اردو ادب میں بہت سے طالب علموں کی فکری جمالیاتی اور تکنیکی تربیت کا سبب بن گئے ۔اس سلسلے میں سب سے بڑی کاوش محمد حسن عسکری(۱۹۱۹ء۔۱۹۷۸ء)نے کی جنہوں نے ستاں دال،(Stendhal)کے فرانسیسی ناول سرخ وسیاہ Le Rouge et noirکا ترجمہ،ہر من میلول ((Hermann Melvilleکے مشہور ناول موبی ڈک (Moby dick)،گستاؤ فلابیر(Gustave Flaubert)کے مادام بواری(Madam Bowary)کا فرانسیسی سے براہ راست یا بالواسطہ ترجمہ اور کرسٹوفر اشر وڈ کے ناولٹ اور رپورتاژgood bye Berlineکا ترجمہ 'آخری سلام' کا ترجمہ کیا،جو ایک طرح سے اردو ادب کے قارئین کی تربیت تھی کہ وہ اچھے فکشن کو پڑھتے ہوئے لذت محسوس کریں اور اردو فکشن کی سطح کو بھی بلند کر دیں۔اسی طرح روس کے عظیم ناول نگار ٹالسٹائی کے شاہکار 'وار اینڈ پیس' کا شاندار ترجمہ شاہد حمید نے کیا۔اور محمد سلیم

الرحمن(اورانتظار حسین (۱۹۲۳ء۔۲۰۱۶ء) کے تراجم بھی ایک اہم مقام رکھتے ہیں، مگر قرۃ العین حیدر کو ایک خصوصی امتیاز رہا کہ انہوں نے اپنے ترجمے کے ذریعے ناول لکھنے کی تکنیک سے متعلق اُردو کے قارئین کی تربیت کی۔

تخلیقی ترجمہ کی روایت میں قرۃ العین حیدر نے ایک اہم مقام پیدا کیا ہے اس نے ناصرف روسی کتب کا ترجمہ کیا بلکہ اس نے انگریزی کتب کے بہترین تراجم کئے مثلاً۔

۰۱: ہمیں چراغ ہمیں پروانے (از ہنری جیمز)

۰۲: ماں کی کھیتی (از میخائل اعتمادوف)

۰۳: آپس کے گیت (از واسل بائی کوف)

۰۴: آدمی کا مقدر (از میخایل شولوخوف)

۰۵: کلیسا میں قتل (ٹی ایس ایلیٹ)

۰۶: تلاش (از ٹرومین کاپوٹ)

جیسے عظیم ناولوں کے تراجم قرۃ العین حیدر کے ہاں ملتے ہیں۔ان کے تمام تراجم عمومی تہذیب کی غلطیوں سے پاک معلوم ہوتے ہیں کیونکہ اُن کے ہاں تراجم TARGET LANGUAGE کی تہذیب، زبان کی ساختیات اور زبان کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔زبان پر کامل دسترس ہونے کی وجہ سے قرۃ العین کے تراجم الگ الگ تصنیف کی طرح ادب پارے کا درجہ رکھتے ہیں،ان کے تراجم اردو ادب کی وسعت دامن میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔انہوں نے Henry James جیسے عظیم مغربی نقاد کے ناول" The portrait of lady"کا ترجمہ" ہمیں چراغ ہمیں پروانے" کے نام سے ۱۹۹۸ء میں کیا۔

سامنے کی چیزیں بھی فراق انسان کو دھوکا دیتی ہیں بزم میں جاگتا خواب یہ دیکھا
ہمیں چراغ ہمیں پروانے

قرۃ العین حیدر کے اس ناول کا عنوان فراقؔ کے اسی شعر کے دوسرے مصرعے کے آدھے حصے سے لیا گیا ہے۔دیکھا جائے تو ہنری جیمس کے ناول The portrait of the lady کا لفظی ترجمہ،'خاتون کے چہرے والی تصویر' بنتا ہے مگر قرۃ العین کے تخلیقی ذہن نے اسے 'ہمیں چراغ ہمیں پروانے' وہی دیا، وہی پروانہ کا

عنوان دے کر اس ناول کی پوری داستان کو ہی اس عنوان میں بند کر دیا ہے یہ عنوان شعریت اور ردھم سے مسحورکن عنوان ہے۔ ایسا لگتا ہے اس سے بہتر کوئی ترجمہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

ہمیں چراغ ہمیں پروانے کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں جن میں سے دو سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور کی اشاعت ہیں اور ایک آکسفورڈ کی ہے۔

تینوں کے ٹائٹل مختلف ہیں، آکسفورڈ والوں نے اس ناول کو ایک خاتون کی تصویر کے عنوان سے شائع کیا ہے جو شاید مترجم کی مالی اعانت کے لئے کیا گیا تاکہ یہ احساس نہ ہو کہ ادائیگی کسی ایسے ترجمے کی کی جا رہی ہے جو پہلے سے مطبوعہ ہے۔

اس ناول کا مرکزی کردار ایک ایسی خاتون ہے جس کا نام ازبیل آرچر ہے جو اپنے رشتے داروں سے ملنے انگلستان آجاتی ہے اور وہ یہاں دو متمول افراد کی شادی کی پیشکش کو ٹھکرا دیتی ہے۔ اسی طرح وہ سیاحت کی غرض سے وینس بھی جاتی ہے وہیں وہ ایک جوان (گلبرٹ اوسمنڈ) سے شادی کرتی ہے۔

مجیدہ عزیز اپنی کتاب قرۃالعین حیدر کے تراجم میں لکھتی ہیں قرۃالعین حیدر کے اس ناول کے بارے میں مرزا حامد بیگ (۱۹۴۹) جو بعض متنازعہ رائے پیش کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں، لکھتے ہیں:

"یہ ناول اپنی تکنیک (شعور کی رو) کے سبب اہمیت رکھتا ہے لیکن یہ ترجمہ قرۃالعین حیدر کے ادبی مرتبے سے کمتر درجے کا ہے اس کا واحد سبب یہ ہے کہ ہنری جیمز کا نثری اسلوب انتہائی پیچیدہ ہے۔"(۲)

حالانکہ یہ ترجمہ ایک طرف قرۃالعین حیدر کی شخصی زندگی اور داخلی شخصیت میں جھانکنے میں مدد کرتا ہے اور دوسری طرف شعور کی رو کی تکنیک کے ساتھ ساتھ روایتی ہیرو یا ہیروین کے تصورات اور قصے میں دلچسپی کے تصورات یا توقعات میں تبدیلی لاتا ہے۔ ہنری جمیز کے ناول کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرۃالعین حیدر اردو اور انگریزی زبان پر عبور ہی نہیں رکھتی تھیں بلکہ ان کی ادبیات کے اعلیٰ ترین اجزا کو محسوس بھی کر سکتی تھیں، انہوں نے اپنی صلاحیت کا بہترین استعمال کیا ہے۔ وہ ترجمہ کرتے ہوئے

ایسے الفاظ اور تراکیب تلاش کر لاتی ہیں جو بر صغیر کی مقبول ترین زبان کی اساس ہے مگر ناول کی زبان بہت کم بنائی گئی۔ اس اہم خصوصیت کی وجہ سے ہنری جمیس کی تخلیق کے باوجود یہ ترجمہ مترجم کا اپنا تخلیقی کارنامہ لگتا ہے۔

خوش پھولوں، لہریں مارتی دھوپ، دھیرج اور آسائش ایسے الفاظ و مرکبات کا استعمال اس ناول میں قرۃ العین کے اسلوب اور تخلیقی ذہانت کی عمدہ ترین مثال ہیں۔ اسکی ایک مثال قرۃ العین کے ناول سے،

"تیسرے پہر کے سائے طویل ہو چکے تھے۔ انگلستان کے اس خوبصورت دیہات کے پائیں باغ میں اب چائے پی جارہی تھی۔ دن ڈھل رہا تھا۔ غروب آفتاب میں ابھی دیر تھی لیکن موسم گرما کی لہریں مارتی دھوپ کا سیلاب دھیرے دھیرے نیچے اترتا جارہا ہے۔"(۳)

قرۃ العین اپنے ناول" ہمیں چراغ ہمیں پروانے"میں اصل متن کے بہت سارے الفاظ اپنی ذہانت، اسلوب اور تخلیقی صلاحیت کے پیش نظر حذف کر کے انکی جگہ نئی تراکیب اور نئے جملے تراش کرتی ہیں۔ وہ جو بھی لفظ ترجمہ کیلئے لاتی ہیں، چاہے وہ آزاد ترجمہ ہو یا لفظی ترجمہ مگر ہر لفظ پڑھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ قرۃ العین سے بہتر اس لفظ کو شائد ہی کسی اور نے برتا ہو یا اس سے بہتر کوئی لفظ اس کی جگہ لے ہی نہ سکتا تھا۔

ہنری جیمز کے ناول سے زیادہ عینی کے ہاں تخیل کی پرواز موجود ہے۔

"ارے یار۔ تخیلات کو آنکھوں سے کس نے دیکھا ہے۔ کاش خود مجھے ہی اپنے تخیل کی ایک جھلک نظر آجاتی۔". (۰۴)

قرۃ العین حیدر کے تخلیقی ترجمے میں سچ مچ وہی جوہر ہے جو لمحہ تخلیق کی باز آفرینی کرنے پر قادر ہے۔ اس دعوے کی تائید میں ناول سے اور مثالیں دیکھیں، آجکل لطیفوں کی دنیا کی نئی نئی قسمیں نکل آئی ہیں۔"بوڑھے نے سکون سے جواب دیا، مگر لگتا یہ ہے کہ تم خدا کے فضل و کرم سے بیمار کبھی نہیں پڑے۔"

"ان کے خیالات میں تو انکی پوری زندگی ہی ایک طویل علالت ہے۔آج یہ مستقل یہی فرماتے رہتے ہیں بیٹے نے اطلاع دی ہے۔"(۰۵)

ڈاکٹر اسلم انصاری (۱۹۳۹ء)،سہ ماہی پیلھوں(۲۵) میں مطبوعہ اپنے مضمون 'اردو میں تخلیقی ترجمے کی ایک مثال'میں لکھتے ہیں اور یہ ایک طرح سے مرزا حامد بیگ کا جواب ہے۔

"ہنری جیمزکے ہاں ابہام بھی افراط سے ہے،قرۃالعین بعض اوقات ترجمہ کرتے ہوئے کوشش کرتی ہیں کہ یہ ابہام دور ہوجائے اور ترجمہ اردو پڑھنے والوں کے لیے زیادہ سے زیادہ قابلِ فہم رہے۔"(۰۶)

ڈاکٹر اسلم انصاری نے قراۃالعین کے اس ناول سے دلچسپی کی ایک اہم وجہ بتاتے ہوئے لکھاہے کہ:

"ترکِ وطن اس ناول کا بنیاد تھی۔قرۃالعین حیدرخود بھی(۱۹۴۸)ترکِ وطن کے اس تجربے سے گزری ہیں؛اس لیےاس ناول میں کے ساتھ اُنکی مجموعی ہم آہنگی جذباتی سطح پر تھی۔ازابل آرچر کی مرکزیت اور ترکِ وطن کے ذہنی مسائل ترجمے کے لئےاس ناول کے انتخاب کی بڑی وجہ بنے ہوں گے۔"(۰۷)

اس ناول میں مرکزی کردار کی طبیعت مزاج اور نفسیات کا تجزیہ پیش کیاگیاجس کو قرۃالعین حیدر نے مزید پرکشش بنادیاہے،ویسے تو یہ ناول انگلستان اوریورپ کی سوسائٹی (خصوصاًاعلیٰ طبقے) کی منظرکشی کرتاہے مگر قرۃالعین حیدر نے اس ناول کو ہندوستان کی سرزمین سے جوڑتے ہوئے ترجمہ میں پوری صورت حال کو واضح کرتے ہوئے دکھایاہے کہ برطانوی سوسائٹی میں بھی نوجوان غیرشادی شدہ لڑکیاں رات گئے تک نہیں بیٹھ سکتےاسکی ایک چھوٹی سی مثال تم ان صاحبان کے ساتھ تنہانہیں بیٹھ سکتیں تم اس وقت البنی میں نہیں ہو۔

قرۃالعین حیدر کا یہ ضخیم ناول بے شمار نزاکتوں اور تراکیب سے اٹا ہوا ہونے کے باوجود اصل متن اور اسکی روح سے قریب تر ہے جبکہ یہ ایک تخلیقی ترجمہ کی زندہ اور عمدہ ترین مثال ہے۔ایسے ہی ترجمہ کے لیے تخلیقی ترجمہ کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔خالد محمود خان،تاریخِ ترجمہ (ملتان: بیکن بکس،۲۰۱۹ء)،ص۵۸۔

۲۔مجیدہ عزیز،قرۃالعین حیدر کے تراجم (لاہور: فکشن ہاؤس،۲۰۱۸ء)،ص۱۰۹۔

۳ ۔ قرۃالعین حیدر، ترجمہ ہمیں چراغ ہمیں پروانے (لاہور: حیدر آباد مکتبہ اردو، سن ندارد)،ص۰۷۔

۴۔ایضاً،ص۱۴۔

۵۔ایضاً،ص۶۳۔

۶۔اسلم انصاری،ڈاکٹر،"اردو میں تخلیقی ترجمے کی ایک مثال"،مشمولہ پیلھوں، شمارہ۲۵ (ملتان: پیلوں پبلی کیشنز)،ص۲۷۔

۷۔ ایضاً،ص۰۲۔